© rasailojaraid.com

اسلام میں سزائے ارتداد

از عبدالحمید صدیقی

(آخری قسط)

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے واقعات مصر کے گورنر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک شخص نے پہلے اسلام قبول کیا تھا بعد ازاں وہ مرتد ہو گیا اس کے بعد پھر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا اور دو بارہ اسلام سے منحرف ہو گیا۔ اس تذبذب کے عالم میں متعدد بار اسلام کو قبول اور رد کرنے کے بعد اب وہ آخری بار اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ خلیفۂ راشد جناب عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ ہمیں اُس کا اسلام قبول کرتے جانا چاہیئے جب تک اللہ اس کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا اب اُس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اس کی پیروی سے انکار کردے تو اس کی گردن قلم کر دیں۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام میں جرم ارتداد کا بار بار ارتکاب گوارا ہے جیسا کہ فاضل مصنف کا خیال ہے بلکہ دو تین بار مرتد ہونے پر اس کا اسلام اگر قبول کر لیا گیا تو ایسا قرآن پاک کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا	بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا
ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ	پھر ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا اور کفر ہی میں
اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا	بڑھتے چلے گئے اللہ انہیں نہیں بخشے گا اور نہ
(نساء: ۱۳۷)	راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر نے بروایت ابن ابی حاتم حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے:

يُستتاب المرتد ثلاثا ثم تلا هذه الآية مرتد سے تین بار توبہ طلب کی جائے گی بعد ازاں آپ نے بطور دلیل یہ آیت تلاوت کی۔ پس اس واقعہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ ارتداد کے بار بار ارتکاب کا جواز نہیں بلکہ توبہ و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انابت کا دو تین بار موقع دینا ہے۔

عہد فاروقی کا دوسرا واقعہ جو فتح تستر کے بعد پیش آیا فاضل مصنف نے اسے اپنی کتاب میں بحوالہ شرح معانی الآثار للامام الطحاوی نقل کیا ہے۔ مگر چونکہ اس کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مسلمان کو ارتداد کا مرتکب ہونے کی بناء پر توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل کر دیا تھا اور مصنف کو اس واقعہ سے اپنے موقف کی تائید میں کوئی چیز نہیں ملی۔ لہٰذا اسے نقل کرنے کے بعد بلا تبصرہ ہی چھوڑ دیا۔ البتہ امام طحاویؒ کی اس کتاب سے ایک دوسرا واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھا جو فتح تستر ہی کے دوران پیش آیا تھا اور جس کی تفصیلات یہ ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے سفیر کی حیثیت سے جب خلیفہ ثانی کے پاس آئے تو آپ نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ حجیبہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ نیز بکر بن وائل کی قوم کا کیا معاملہ ہے؟ تو حضرت انسؓ آپ کے علم میں لائے کہ ان لوگوں کو مرتد ہونے کی بناء پر مسلمانوں نے قتل کر دیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "اگر آپ لوگ انہیں زندہ گرفتار کر لیتے تو یہ میرے نزدیک قیمتی اشیاء کے حصول سے بھی زیادہ خوشی کی بات ہوتی"۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی اے امیرالمومنین اگر انہیں زندہ گرفتار کر لیا جاتا تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔ سوا اس کے کہ انہیں قتل کر دیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اگر تم انہیں زندہ پکڑ لیتے تو میں اُن کے سامنے (داخل ہونے کے لیے) وہی دروازہ پیش کرتا جس سے وہ نکل گئے تھے (اسلام) پھر اگر وہ اسلام قبول کر لیتے تو خیر بصورتِ دیگر میں انہیں جیل میں ڈال دیتا"۔ حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے شیخ صاحب یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے قتل کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا لیکن ہم شیخ صاحب کے اس استدلال کو بوجوہ غلط سمجھتے ہیں۔

۱۔ جب حضرت انسؓ نے یہ کہا تھا کہ اے امیرالمومنین زندہ گرفتار کر لینے کی صورت میں بھی انہیں کرنا تو قتل ہی تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو انہیں فوراً ٹوکنا چاہیئے تھا کہ یہ تم نے کیا کہہ دیا؟ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل کس نے مقرر کی ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایسی گرفت نہیں کی۔

۲۔ اسلام میں قتلِ ناحق کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ کبیرہ گناہ اور واجب القصاص فعل ہے اگر فی الواقع ارتداد کی سزا قتل نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ محض یہ فرما کر نہ رہ جاتے کہ "میں انہیں جیل میں ڈال دیتا"، بلکہ ان قبائل کے قتل کے مرتکب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو قانونِ قصاص کے تحت قتل کروا دیتے یا ان کی طرف سے

© rasailojaraid.com

خون بہا ادا کرتے لیکن تاریخ و روایات کا ذخیرہ شاہد ہے کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی باریک بین اور شریعت کے بارے میں محتاط شخصیت نے ان قبائل کے قتل پر ایسے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

۲۔ سزائے ارتداد کے باب میں جیسا کہ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ مرتد کو توبہ کی مہلت ملنی چاہیئے پھر اگر وہ تائب نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ چونکہ ان قبائل کو توبہ کی مہلت نہ دی گئی تھی، اسی لیے حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میں ان کو جیل میں ڈال دیتا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک جیل ہی ارتداد کی آخری سزا تھی بلکہ جیل میں ڈالنے کا مقصد توبہ و ندامت کے لیے مہلت دینا تھا اور یہی مطلب ان کے عہد کے دوسرے واقعاتِ ارتداد سے مطابقت رکھتا ہے۔

ارتداد کے سلسلہ میں عہد فاروقی کا تیسرا واقعہ قتل عبداللہ بن النواحہ کا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مسجد بنی حنیفہ میں کچھ لوگ مسیلمہ کی نبوت کا اعلان کر رہے تھے حضرت عبداللہؓ بن مسعود جو کوفہ کے قاضی القضاۃ تھے، نے انہیں بلا بھیجا۔ سب نے آکر توبہ کر لی اور انہیں چھوڑ دیا گیا مگر عبداللہ بن النواحہ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ بعدازاں عبداللہؓ بن مسعود نے وضاحت کی کہ ابن النواحہ ان دو آدمیوں میں سے ایک تھا جو مسیلمہ کے سفیر کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ آپ نے جب ان سے استفسار کیا کہ آیا وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیتے ہیں تو انہوں نے جواباً کہا کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا پیغمبر (معاذاللہ) ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اگر سفیروں کو قتل کرنے کی اجازت ہوتی تو تم دونوں کو قتل کر دیا جاتا۔ (عبداللہ بن مسعودؓ) کہتے ہیں۔ اس وقت اُن کو چھوڑ دیا گیا کہ سفیروں کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ مگر اب جبکہ قبول اسلام کے بعد وہ پھر نبوت مسیلمہ کا اقرار کر رہا تھا تو اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا کہ اس نے ایک عادی مرتد کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد رحمان صاحب کہتے ہیں کہ عبداللہؓ بن مسعود کو چاہیئے تھا کہ اس کی توبہ بھی قبول کر لیتے جس طرح دوسروں کی توبہ قبول کی تھی اور اسے قتل نہ کرتے لیکن چونکہ انہوں نے اس اصول سے ہٹ کر قتل کرنے کا حکم دے دیا یہ عبداللہ بن مسعود کا ذاتی فعل قرار پایا۔ اسے بطور نظیر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ مزید برآں رحمان صاحب کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آ رہی کہ سفیر کی حیثیت سے جو کلماتِ کفر ابن النواحہ نے کہے تھے ان کی بنیاد پر بعد میں اسے کیوں قتل کر دیا گیا؟ جبکہ اس کی وہ حیثیت بھی نہیں رہی تھی اور ایک دوسرے جرم میں اسے ماخوذ کیا گیا تھا۔ دوسری طرف اس کے غلط رویہ کے باوجود رسول پاک نے اس کی جان بخشی کر دی تھی پس یہ جان بخشی والا اصول ہی عبداللہؓ بن مسعود کو بھی پیشِ نظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر رکھنا چاہیئے تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عبداللہؓ بن مسعود نے اس کی توبہ کو قبول کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب رحمان صاحب کو وہیں سے مل سکتا تھا جہاں سے انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے نہ معلوم ان کی نظر ادھر کیوں نہیں گئی۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں یہ اثر درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

فھذا عبد اللہ بن مسعود قد قتل	عبداللہ بن مسعود نے ابن النواحہ کو قتل کر دیا
ابن النواحۃ ولم یقبل توبتہ اذ	اور اس کی توبہ قبول نہ کی کیونکہ انہیں معلوم تھا
علم ان ھکذا خلقہ یظھر التوبۃ	کہ اس شخص کی یہ عادت ہے کہ جب اس پر
اذا ظفر بہ ثم یعود الی ما کان علیہ	ہاتھ پڑ جاتا ہے تو توبہ کرنے لگتا ہے اور
اذا خلی۔	جب اسے چھوڑ دیا جاتا ہے تو سابق عقائد
(کتاب السیر باب استتابۃ المرتد)	نظریات کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ سفیر کی حیثیت سے ابن النواحہ نے جو کلمات کہے تھے ان کی بنیاد پر اسے قتل کر دینا ناقابل فہم ہے تو ایسی بے وزن بات کی توقع ہمیں فاضل مصنف سے بالکل نہ تھی۔ موصوف کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ابن النواحہ اور اس کا ساتھی بطور سفیر آپ کے پاس آنے سے بیشتر اپنے قبیلوں سمیت مسلمان ہو چکے تھے بعد ازاں جب مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یہ اس کے ساتھی بن گئے اس طرح دونوں جرم ارتداد کا ارتکاب کر چکے تھے۔ رسول پاک نے انہیں جو تحفظ دیا وہ ان کے سفیر ہونے کی بناء پر تھا مرتد کے لیے کوئی رعایت آپ کے پیش نظر نہ تھی اگر ہوتی تو آپ ان کو قتل کی وعید نہ سناتے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے یہ واقعہ بیان کر کے جو کچھ ثابت کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت بھی یہ سزائے ارتداد (قتل) کا مستحق تھا مگر اس کی سفارت اسے بچا گئی بعد ازاں یہ موقع بہ موقع ارتداد کا اعلان کرتا رہا مگر گرفتار ہو کر توبہ کر لیتا مگر اب اسے توبہ کا مزید موقع نہیں دیا جا سکتا کہ یہ پہلے ہی ایسے کئی مواقع حاصل کر چکا ہے۔

سزائے ارتداد کی نفی کے بعد ابن النواحہ کے قتل کی مذکورہ توجیہات چونکہ کچھ یونہی سی تھیں اس لیے فاضل مصنف خود بھی ان سے مطمئن نہیں ہوئے اور آخر میں وہی پرانی رٹ لگانی ضروری سمجھی کہ مسیلمہ اسلامی حکومت کا باغی تھا اور اس کے پیرو بھی باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے تھے اس لیے ابن النواحہ کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات کرتے وقت فاضل مصنف کو یاد نہیں رہا کہ ابھی اوپر وہ خود بیان کر آئے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

ابن النواحہ کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ حالانکہ اگر یہ لوگ فی الواقع باغی تھے تو ان کو چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

آخر میں گرامی قدر شیخ صاحب نے مصنف عبدالرزاق سے ایک ام ولد کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد مذہب عیسائیت اختیار کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے اغیار کے ہاتھ فروخت کرنے کا حکم دے دیا اور قتل نہیں کیا اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ارتداد کی کوئی متعین سزا (قتل) نہیں تھی اگر ہوتی تو اس ام ولد کو بھی دی جاتی۔ اس کے بارے میں گزارش ہے کہ ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ اصولی طور پر تو ارتداد کی سزائے قتل پر مسلمانوں کا کامل اتفاق ہے مگر اس باب میں امت کے اہل علم کے مابین بعض فرعی اور جزئی اختلافات بھی موجود ہیں مثلاً یہی کہ مرتد اگر عورت ہو تو اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ قید میں رکھ کر توبہ کا موقع دیا جائے۔ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن قتل النساء ایسے ہی کسی فرمانِ رسولؐ سے استنباط کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے ام ولد کے بارے میں مذکورہ فیصلہ دے دیا ہوگا۔ کہنے کا منشا یہ ہے کہ اس طرح کے جزئی اختلافات کو دیکھ کر دین کی متفق علیہ تعلیمات پر خطِ تنسیخ تو نہیں کھینچا جا سکتا۔ مقام غور ہے کہ ایک طرف صحیحین کی واضح نصوص، امتِ مسلمہ کا متواتر عمل اور اہل علم کا چودہ سو سالہ اتفاق رائے ہے اور دوسری طرف تیسرے درجے کے مجموعہ حدیث (مصنف عبدالرزاق) کی ایک محتمل المعنی روایت ہے مگر رحمان صاحب ہیں کہ انہیں ترجیح کے قابل صرف یہ روایت نظر آ رہی ہے اور باقی کسی چیز کا کوئی وزن محسوس نہیں ہو رہا۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جس مجموعہ حدیث کی یہ روایت ہے اسے فاضل مصنف خود ناقابل اعتبار قرار دے چکے ہیں (مصنف کی کتاب ص ۵۸) لیکن اب چونکہ اس میں ایک روایت ایسی مل گئی ہے جس سے رحمان صاحب کھینچ تان کر کے اپنا مطلب نکال سکتے ہیں اس لیے اب یہ مجموعۂ احادیث مستند اور معتبر بن گیا ہے۔ اہلِ تحقیق تحقیق کا یہ نادر نمونہ یاد رکھیں۔

نجران کے عیسائیوں کی جلاوطنی کا واقعہ بھی فاضل مصنف کی نظر میں سزائے ارتداد کی نفی کر رہا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "سیاسی وثیقہ جات" کی جس تحریر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اُسے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عمرؓ نے اہل نجران کے نام لکھا:

بعد ازیں کہ تم نے اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف کیا اور اس کے بعد مرتد ہو گئے۔ اب بھی تم میں سے جو شخص توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے اس کے ارتداد پر مواخذہ نہ ہوگا۔ اور ہم اس کے ساتھ بہتر سلوک کریں گے۔ تم گذشتہ انعامات کو یاد کر لو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تم میں سے جو شخص مسلمان ہو جائے اس کے لیے

© rasailojaraid.com

سلامتی کی خوشخبری ہے اور جو شخص اسلام کے بجائے نصرانیت قبول کر کے اس پر اکتفا کرے تو ہمیں اُس کی امان سے کوئی سروکار نہیں۔ نجران میں یہ حکم نصاریٰ کے ماہِ صیام کی گیارہویں تاریخ سے نافذ ہوگا۔۔۔۔۔"

اس تحریر میں آخر کہاں سے ثابت ہوگیا کہ مرتدین کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے اور ان کے لیے کوئی سزا نہیں فاضل مصنف ہمیں بتائیں کہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے "تم گذشتہ انعامات کو یاد کرلو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو" نیز یہ کہ "جو شخص اسلام کے بجائے نصرانیت قبول کر کے اس پر اکتفا کرے تو ہمیں اس کی امان سے کوئی سروکار نہیں" مزید برآں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت عمرؓ نے تو انہیں جلاوطن ہو جانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ پھر وہ لوگ کس خوف کی بناء پر حدود مملکت اسلامیہ سے نکل گئے؟ حضرت عمرؓ نے اس تحریر کے ذریعہ مرتدین کو توبہ کے لیے ایک وقت مقرر تک مہلت دی تھی جس کے اختتام پر انہیں اپنا انجام صاف نظر آرہا تھا۔ اسی لیے اپنے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے۔

عہد عثمانی کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مصنف نے ابتدائی دو واقعات ——— جن میں سے ایک میں حضرت عثمانؓ نے ارتداد کی سزائے قتل کا ذکر کیا ہے اور دوسرے میں ایک مرتد کو تین بار توبہ کا موقع دینے کے بعد قتل کرنے کا حکم دے دیا ——— کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی پوری تفصیل اور پس منظر ہمارے علم میں نہیں اس لیے ان سے سزائے ارتداد (قتل) کے حق میں استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اور پوری تفصیل سے رحمان صاحب کی مراد یہ ہے کہ ان واقعات میں محاربہ و بغاوت کا ذکر ہونا چاہیے تاکہ موصوف کہہ سکیں کہ یہ ارتداد کی سزا نہیں بلکہ بغاوت کی سزا ہے۔

اور تیسرے واقعہ میں موصوف نے زمیندار کے ایک گمنام اہل قلم کی ترجمانی و تعبیر کا سہارا لیا ہے جو ہمارے نزدیک اس قابل نہیں کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے رحمان صاحب نے اُس واقعہ پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے جس کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زنادقہ کے ایک گروہ کو جلا کر ہلاک کر دیا تھا۔ پھر جب حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں (حضرت علیؓ کی جگہ) ہوتا تو ان کو جلا کر نہ مارتا کیونکہ عذاب کے اس طریقہ سے رسول پاک نے منع فرمایا ہے۔ لا تعذبوا بعذاب اللہ ——— البتہ انہیں قتل کر ڈالتا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جو اپنا دین بدل ڈالے اسے قتل کردو۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اثر سے اپنا دل پسند مطلب اخذ کرنے کے لیے پہلے تو فاضل مصنف زنادقہ کے بارے میں وارد مختلف اقوال میں سے اس قول کو لیتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن سبا کے پیرو تھے پھر فرماتے ہیں کہ سبائی حضرات کی سرگرمیاں امن عامہ کے منافی تھیں اس کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ ان کو جو سزا دی گئی وہ محض ارتداد کی نہیں بلکہ امن دشمن سرگرمیوں کی سزا تھی اس تشریح کے بعد صحیح البخاری کی اس روایت میں موصوف کو ایک فنی کمزوری بھی نظر آئی ہے۔ یعنی عکرمہ متہم بالکذب راوی ہیں اور وہ حضرت علیؓ کے خلاف جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے۔ ان ساری باتوں کا مقصد غالباً یہ ہے کہ یا تو اس اثر کا وہ مفہوم مراد لیا جائے جو رحمان صاحب کو پسند ہے یا پھر اس روایت ہی کی کوئی قدر و قیمت قاری کے ذہن میں باقی نہ رہنے دی جائے۔

جامع البخاری کا جو مرتبہ اور مقام ہے اس کے پیشِ نظر اس طریقِ تحقیق کو ہم بودا ہی قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ جن لوگوں کو آگ میں جلا کر ہلاک کر دیا گیا تھا اُن کی حقیقت کا پتہ اگر ہمیں حدیث ہی کی کسی اور روایت سے چل سکتا ہو تو کتبِ تاریخ اور مختلف لوگوں کے اقوال کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ سنن ابی داؤد میں واقعہ احراق کی تفصیل یوں ملتی ہے:

حدثنا احمد بن حنبل نا اسمٰعیل بن ابراهیم اخبرنا ایوب عن عکرمة ان علیاً احرق الناس ارتدوا عن الاسلام فبلغ ذٰلك ابن عباس فقال لم اکن لاحرقهم بالنار ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا تعذبوا بعذاب الله وکنت قاتلهم بقول رسول الله صلی الله علیه وسلم فان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من بدل دینه فاقتلوه۔

(باب الحکم فی من ارتد)

امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ ہم سے احمد بن محمد بن حنبل نے حدیث بیان کی اس نے کہا کہ ہم سے اسمٰعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی اس نے کہا کہ ہمیں ایوب سے عکرمہ نے خبر دی کہ حضرت علی نے کچھ لوگوں کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جو اسلام سے پھر گئے تھے۔ جب یہ خبر حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میں تو ان کو آگ میں ہرگز نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لا تعذبوا بعذاب اللہ" البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے تحت "کہ جو اپنا دین بدل ڈالے اسے قتل کر دو" انہیں قتل کر دیتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ زنادقہ کا وہ گروہ پیروِ حبش کا بھی ہو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ اُن کے ارتداد عن الاسلام کی تفصیل فتح الباری شرح صحیح بخاری کی ایک روایت سے یہ ملتی ہے کہ حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ مسجد کے دروازے پر کچھ لوگ آپ کو اپنا رب کہہ کر پکار رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا تم پر افسوس ہے تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے رب ہیں ہمارے خالق اور رازق ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم پر افسوس ہے میں تو تمہاری طرح خدا کا ایک بندہ ہوں تمہاری طرح کھانا کھاتا ہوں اور پانی پیتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں تو وہ چاہے تو مجھے جزا دے اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے عذاب دے گا لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور اپنے اس قول سے رجوع کر لو مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اگلے دن بھی آپ کے دریافت کرنے پر انہوں نے ویسی باتیں دہرائیں۔ تیسرے دن حضرت علیؓ نے انہیں بلا کر دھمکی دی کہ اگر اب بھی تم نے وہی بات کہی تو میں تمہیں بدترین طریقہ سے قتل کر دوں گا۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے آخر حضرت علیؓ نے ان کے لیے ایک کھائی کھدوائی جس میں آگ جلوائی اور پھر ان سے کہا کہ دیکھو اس قول سے باز آجاؤ مگر انہوں نے رجوع نہ کیا۔ چنانچہ انہیں گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ اور وہ جل کر مر گئے۔

رہ گئی یہ بات کہ عکرمہ کی طرف کسی نے کذب کی نسبت کی ہے اور وہ حضرت علیؓ کے خلاف جھوٹی روایات وضع کیا کرتے تھے تو اس معاملے میں ہمیں یہ اصول ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کسی راوی کی ثقاہت و عدمِ ثقاہت کا فیصلہ اُس کے بارے میں اکثریت کی رائے کو دیکھ کر کیا جاتا ہے چند اقوال کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ معاصرت کا فتنہ بڑا قدیم ہے اور اہل علم میں باہم چشمک ہوتی ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس وقت کے سیاسی و معاشرتی حالات کے بھی کچھ تقاضے تھے۔ بہر حال بحیثیت مجموعی حضرت عکرمہ کے بارے میں آئمہ حدیث کی رائے بڑی اچھی ہے۔ اکمال فی اسماء الرجال میں عکرمہ کے تحت لکھا ہے:

ھو احد فقہاء مکۃ و تابعیھا سمع ابن	یہ فقہاء مکہ میں سے ایک ہیں اور ان کا شمار
عباس و غیرہ من الصحابۃ روی	مکہ کے تابعین میں ہوتا ہے انہوں نے
عنہ خلق کثیر مات سنۃ سبع ومائۃ	ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ سے حدیث سنی اور
ولہ ثمانون سنۃ قیل لسعید بن	ان سے بڑی تعداد میں لوگوں نے احادیث
جبیر ھل احد اعلم منك قال عکرمۃ	کی روایت کی ۱۰۷ھ میں اسی سال کی عمر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفات پائی۔ سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ آپ سے زیادہ علم رکھنے والا بھی کوئی ہے؟ تو انہوں نے کہا عکرمہ۔

نیز امام بخاری نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں ـــــ جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے ـــــ ان کی مرویات کو شامل کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہے وہ کسی غیر ثقہ راوی کی احادیث کو اپنے مجموعہ میں شامل نہیں کر سکتے تھے عکرمہ کے بارے میں امام موصوف کی رائے ملاحظہ ہو:

لیس احد من اصحابنا الا وھو یحتج بعکرمۃ۔ — ہمارے اصحاب میں کوئی ایسا نہیں جو عکرمہ (کی مرویات) سے حجت نہ پکڑتا ہو۔

خلافت راشدہ کے نظائر پر بحث کرتے ہوئے فاضل مصنف نے تقریباً سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ جن لوگوں کو قتل کیا گیا ہے وہ باغی اور محارب تھے۔ جہاں تک پرسکون ارتداد (PEACEFUL APOSTASY) اور غیر محارب مرتدین (NON MILITANT APOSTATES) کا تعلق ہے، خلفائے راشدین نے انہیں کبھی قتل کا مستوجب نہیں سمجھا۔

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو ریاست مذہب کے نام پر قائم ہوئی ہو اُس ریاست میں اُسی مذہب سے ارتداد کیا (PEACEFUL) بھی قرار دیا جا سکتا ہے؟ مذہب اسلام، اسلامی ریاست کا دستور و آئین ہوتا ہے کیا کسی ملک کے دستور و آئین سے انحراف کی اُس کے شہریوں کو اجازت ہوتی ہے؟ آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانے کے بعد اگر کوئی اس سے غداری کا مرتکب ہو تو اس کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح ہر مسلمان جو اپنے دستور و آئین کا وفادار ہوتا ہے اگر ارتداد کا مرتکب ہو تو اس کو غداری پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس کے اس فعل کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ ہر نظریاتی ریاست اپنے نظریہ کے تحفظ کے لیے ایسا کرنا ضروری سمجھتی ہے۔

سزائے ارتداد فقہا کی نظر میں اپنی کتاب کے چوتھے باب میں جناب ایس اے رحمان نے حرفِ آغاز ہی اس بات سے اٹھایا ہے کہ یہ خیال کہ مرتد کی سزا قتل فقہاء کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے صحیح نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ آیا ہیئتِ حاکمہ کو لازم ہے کہ مرتد کا جرم ثابت ہونے پر اسے توبہ کا موقع دے یا ایسا کوئی موقع دیے بغیر ہی اسے قتل کر ڈالے۔ عورتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو جرمِ ارتداد کی سزا (قتل) سے مستثنیٰ کیا جائے گا یا نہیں نیز یہ کہ بار بار ارتداد پر بار بار توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں یہ فروعی قسم کے اختلافات چھ سات صفحات پر پھیلا کر موصوف نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ سزائے ارتداد پر فقہاءِ امت متفق نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں حالانکہ اس باب میں تعلیماتِ دین کا سرسری مطالعہ رکھنے والا آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ ان اختلافات سے نفسِ مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ارتداد سے متعلق ائمہ اربعہ وغیرہم کے مسالک قارئین کے سامنے آجائیں۔ امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر امام مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے پھر اگر وہ شخص توبہ کرے تو چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ نیز یہ کہ جو شخص اسلام سے ناواقفیت کی بناء پر مرتد ہوا ہو تو اس کو پہلے سمجھا کر اسلام کی طرف واپس لانے کی کوشش کی جائے۔ مگر جو شخص سوچ سمجھ کر اسلام سے خارج ہوا ہو اسے توبہ کی دعوت دیئے بغیر قتل کر ڈالا جائے۔

(شرح معانی الآثار۔ کتاب السیر بحث استتابتہ المرتد)

امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ امام کو لازم ہے کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دے اور اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس سے پہلے اسے قتل کر دے کیونکہ ایک مسلمان کا ارتداد بظاہر کسی شبہ ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایک مدت ضرور ہونی چاہیئے جس میں اس کے لیے غور و فکر کا موقع ہو اور اس غرض کے لیے ہم تین دن کافی سمجھتے ہیں۔ (بحوالہ ہدایہ باب احکام المرتدین)

امام احمدؒ بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ جو عاقل و بالغ مرد یا عورت اسلام کے بعد کفر اختیار کرے اسے تین دن تک توبہ کی مہلت دی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ یہی رائے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی، مکحول، حماد، مالک، لیث، اوزاعی، شافعی اور اسحاق بن راہویہ کی ہے۔

(المغنی ج ۱۰ ص ۷۴)

امام مالکؒ نے اپنا مسلک حدیثِ رسولؐ من غیّر دینہ فاضربوا عنقہ' کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام سے نکل کر کسی دوسرے طریقہ کا پیرو ہو جائے مگر اپنے کفر کو چھپا کر اسلام کا اظہار کرتا رہے جس طرح کہ زنادقہ اور ان جیسے دوسرے لوگ کرتے ہیں تو اس کا جرم ثابت ہو جانے کے بعد اسے قتل کر دیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ ایسے لوگوں کی توبہ کا کچھ اعتبار نہیں ۔ لیکن جو شخص برملا اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر وہ توبہ کرے تو فہو المطلوب ۔ بصورتِ دیگر اسے قتل کر دیا جائے ۔

(الموطا للامام مالکؒ ۔ القضاء فی من ارتد عن الاسلام)

آئمہ اربعہ کے ان مسالک پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نفس مسئلہ پر کسی امام کو کوئی اختلاف نہیں البتہ بعض جزئیات میں مثلاً توبہ کا موقع ہر ایک مرتد کو دیا جائے یا نہ دیا جائے اور اگر دیا جائے تو کتنی بار اور کب تک ۔ نیز مرتد عورت کو قتل کیا جائے یا قید میں رکھا جائے ——— اختلاف ہے ۔ لیکن اس اختلاف کو دیکھ کر سزائے ارتداد ہی کا انکار کر دینا کسی طرح بھی درست نہیں یہ دیانتداری کے بھی منافی ہے اور مسائل اسلامی کی دانستہ غلط تعبیر کی بھی نہایت ناروا اور مذموم کوشش ہے فقہاء کے مذکورہ فروعی اختلافات کے بارے میں ہم پہلے بھی عرض کر آئے ہیں کہ ان کی بنیاد کسی نہ کسی آیت قرآنی یا حدیثِ رسول کی نص پر ہوتی ہے ۔ فقہاء کے سامنے ایک طرف اسلام کا یہ واضح حکم ہے کہ مرتد کو قتل کر دو ۔ دوسری طرف وہ اس باب میں رسولؐ پاک اور صحابہ کرام کا یہ عمل دیکھتے ہیں کہ قتل سے پہلے وہ مرتد کو توبہ کی دعوت دیتے ہیں ۔ پھر رسولؐ پاک کا یہ فرمان بھی ان کے علم میں آتا ہے کہ عورتوں کو قتل نہ کرو ۔ تو ان سارے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے وہ تطبیق و توفیق کی کوشش کرتے ہیں نتیجۃً ان کے اقوال و مسالک میں کمالِ اخلاص کے باوجود کچھ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے ۔ تاہم کسی فقیہہ نے اُمت کو پابند نہیں کیا کہ اس کی ہر تعبیر اور اجتہاد کو لازماً صائب ہی سمجھے ۔ انہوں نے اپنے اقوال و مسالک کے دلائل بیان کر دیئے ہیں جنہیں معلوم کر کے اگر کوئی شخص مطمئن ہو جائے تو وہ ان کو قبول کر سکتا ہے ۔ کہنے کا منشاء یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں فقہاء کے جزئی اختلاف کی بناء پر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

استتابۃ المرتد کے ضمن میں امام شوکانی نے فرمایا:

واختلف القائلون بالاستتابۃ ھل یکتفی بالمرۃ اولا بد من ثلاث وھل الثلاث فی مجلس واحد او ثلاثۃ ایام ونقل ابن بطال عن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ انہ یستتاب	مرتد سے طلبِ توبہ کے قائلین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک مرتبہ ہی توبہ طلب کرنا کافی ہے یا لازماً تین بار توبہ کی دعوت دینی چاہیئے پھر یہ کہ تین بار توبہ ایک ہی مجلس میں طلب کی جائے یا تین دنوں میں ۔ اور ابن بطال نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہر ا، وعن النخعی یستتاب ابداً (بحوالہ فقہ السنۃ لسید سابق جلد ۲۔ صفحہ ۴۵۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مرتد سے ایک مہینہ تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور امام نخعی سے ہمیشہ تک طلبِ توبہ کا قول منقول ہے۔

استتابۃ المرتد سے متعلق مندرجہ بالا عبارت کو ہر شخص پڑھ کر خود سمجھ سکتا ہے کہ اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے اور کیا اس میں اتنی جان ہے کہ اس کی بنیاد پر مرتد کی سزائے قتل کو موقوف کر دیا جائے۔ جہاں تک امام نخعی کے اس قول کا تعلق ہے کہ مرتد سے ہمیشہ تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے تو معلوم ہونا چاہیئے اُن کی ایک رائے اوپر بھی گزر چکی ہے جس کے مطابق مرتد کو توبہ کی مہلت کے لیے تین دن دیئے گئے ہیں۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ امام نخعیؒ کا اول الذکر قول ان کا آخری قول ہے تو بھی کس عقلی اور شرعی دلیل کی رو سے یہ جائز ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص اکابر صحابہ کے فتاویٰ، خلافتِ راشدہ کے نظائر اور امتِ مسلمہ کے متواتر عمل کے مقابلہ میں اکیلے امام نخعی کے قول کو ترجیح دی جائے۔ رحمان صاحب نے اس موضوع پر خاصی تفصیل سے بحث کی ہے اور مرتد کو سزائے قتل سے بچانے کے لیے اپنی دیگر کوششوں کو پوری طرح کامیاب نہ ہوتے دیکھ کر موصوف اُس پر توبہ کے دروازہ کو ہمیشہ کے لیے کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس اس کی دلیل ایک تو یہی امام نخعی کا قول ہے کہ مرتد پر طلب توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیئے دوسرے قرآن پاک کی یہ آیت:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔

(النساء۔ ۱۷)

بے شک اللہ تعالیٰ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی بُرا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظرِ عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔

چونکہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے "من قریب" کا مطلب مَا لَمْ يُغَرْغِرْ بھی کیا ہے۔ یعنی جان نکلنے سے پہلے پہلے توبہ کر لیں —— اس لیے فاضل مصنف کہتے ہیں کہ مرتد کو بھی توبہ کی مہلت موت تک ملنی چاہیئے۔ لیکن رحمان صاحب مرتد کے لیے جتنے بھی مہربان ہوں اللہ تعالیٰ کو بہر حال فعلِ ارتداد قطعاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوارا نہیں۔ قبولِ توبہ کے اس عام حکم میں اللہ تعالیٰ مرتد کو شامل نہیں کرنا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک دوسری آیت میں واضح طور پر فرمادیا کہ اسلام کو سمجھنے اور قبول کرنے کے بعد جو شخص دانستہ کفر کی طرف پلٹ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کریں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ۔ (آل عمران: ۹۰)	بلاشبہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کی روش اختیار کی اور پھر کفر ہی میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی یہی لوگ پکے گمراہ ہیں۔

یہ آیت مرتد کی توبہ کے عدم قبول پر صریحاً دلالت کرتی ہے اور کسی مفسر کا قول اس کے مفہوم کی تعیین و تحدید نہیں کرسکتا۔

بعض مغالطوں کا ازالہ (۱) فقہائے اقوال ومسالک پر بحث کرتے ہوئے گرامی قدر مصنف نے آخر میں بعض مغالطے دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بڑے ائمہ وفقہاء نے اپنے پیرووں کو یہ تلقین کی ہوئی ہے کہ اگر ہمارا کوئی قول یا رائے قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو تو اسے ترک کر دیا جائے لہٰذا سزائے ارتداد کے باب میں چونکہ اُن کا موقف صائب نہیں اور قرآن وسنت کی روح سے مطابقت نہیں رکھتا اس لیے اسے نظر انداز کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فاضل مصنف کا سزائے ارتداد کے بارے میں جو موقف ہے وہ قارئین کرام کے سامنے آچکا ہے یعنی مرتد کو قتل نہیں کرنا چاہیئے اور اسے موت تک مہلت (کھلی چھٹی) ملنی چاہیئے تاکہ وہ رجوع کر سکے۔ مغربی تعلیم کے زیر اثر تشکیل پانے والے اس نام نہاد موقف میں جتنا وزن ہے وہ ہر شخص فریقین کے دلائل کو معلوم کرنے کے بعد خود محسوس کر سکتا ہے اور اس موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے رحمان صاحب نے آیاتِ قرآنی کی جس جس طرح غلط تعبیر کی ہے اور احادیث رسول اور خلفائے راشدین کے ارشادات وعمل کی جتنی کچھ الٹی تاویلیں کی ہیں اور ائمہ وفقہاء کی جس طرح غلط ترجمانی کی ہے وہ بجائے خود تحریفِ دین کی ایک بدترین مثال ہے۔ اور اس کے بعد بھی انہیں اپنے موقف کی صحت پر اصرار ہے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں:

؎ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر کوئی شخص تشکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر مرتد ہو جائے تو رحمان صاحب کے نزدیک عقلاً یہ شخص کسی پکے کافر (جو شروع سے کافر چلا آرہا ہے) سے زیادہ مضر اور برا نہیں لہٰذا اگر ایسے کافر کا وجود اسلام کو گوارا ہے تو مرتد کو بھی برداشت کرنا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پکے کافر کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو دیکھ کر عام مسلمان کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ اس کے برعکس مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جانے والے شخص کی خلافِ اسلام کارروائیوں سے مسلمانوں کے بد دل ہونے کا امکان ہے۔ ان کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ کہیں اسلام میں بھی دوسرے ادیان و مذاہب کی طرح کچھ کمزوریاں اور غلطیاں نہ پائی جاتی ہوں جنہیں دیکھ کر یہ شخص اسلام سے منحرف ہو گیا ہے۔ نیز یہ کہ مرتد ——— جس کے ساتھ پہلے مسلمانوں کے روابط اور تعلقات قائم تھے ——— کی یہ راہ روی کی پُر فریب زندگی اسلامی معاشرے کے دیگر افراد کو بھی اپنے ساتھ لپیٹ میں لے جا سکتی ہے۔ ان مفاسد کے موثر سدِ باب کے لیے اسے قتل کیا جانا ضروری ہے۔

۳۔ اگر کسی شخص کو مجبور کر کے مسلمان بنایا گیا ہو اور بعد میں جبر کے اثرات زائل ہونے پر وہ پھر کفر اختیار کرلے تو اسے بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ اصلاً دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح مرتد اگر قتل کے خوف سے توبہ کر لیتا ہے تو اس توبہ کو صحیح معنوں میں توبہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ توبھی تو اصلاً کفر ہی کے مترادف ہے۔

ٹھیک ہے یہ توبہ اگر اصلاً کفر کے مترادف بھی ہو تو اسلامی معاشرے کو اس کے بعد اُس شخص سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ پھر اگر وہ برملا یا مخفی طور پر خلافِ اسلام یا مفادِ امت کے منافی کارروائیوں میں مصروف پایا گیا تو جرم ثابت ہونے پر قانونِ اسلامی کے مطابق سزا و تعزیر یا حدِ شرعی کا مستحق ہوگا۔ جبکہ کافر پر قانونِ اسلامی کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

۴۔ سوسائٹی کو ارتداد کے اثرات سے تو مرتدین کو سزائے قتل دے کر بچا لیا گیا۔ مگر منافقین کے نفاق سے مسلم معاشرہ کا تحفظ کیونکر ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں منافقین کے نام سے کوئی طبقہ مشخص اور متعین نہیں ہوتا کہ جس پر واضح طور پر انگلی رکھی جا سکے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں اور فلاں شخص منافق ہے۔ اسلام میں دراصل نفاق کی کچھ علامات بیان کی گئی ہیں اور جتنی علاماتِ نفاق کسی شخص کی عملی زندگی میں پائی جائیں گی اُسی درجے کا وہ منافق ٹھہرے گا۔ اس کو بھی نام لے کر یہ کہنے کی اجازت نہیں کہ تم اتنے فی صد منافق ہو۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منافقین بھی مسلم معاشرہ ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں اور اس کے تمام فرائض وحقوق کا ان پر بھی یکساں طور پر اطلاق ہوتا ہے۔ ان کے شرور سے بچنے کی صورت بھی وہی ہے جس کا ذکر اوپر تیسرے سوال کے جواب میں کیا جا چکا ہے۔ علاوہ ازیں مسلم معاشرہ کوئی اندھا بہرا معاشرہ نہیں ہوتا نہ یہ سادہ لوح اور بے وقوف قسم کے لوگوں کے مجموعہ کا نام ہے اس معاشرہ میں ایک بڑی تعداد ایسے زیرک اور دانشمند اصحاب کی موجود ہوتی ہے جن کی نظر سے نفاق وارتداد کے جراثیم زیادہ دیر تک چھپے نہیں رہ سکتے۔ پس جونہی ان بیماریوں کے اثرات ظاہر ہوں وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اسلام کی محافظ قوتوں کی توجہ ادھر مبذول کرائیں تاکہ ان فتنوں کا بروقت سدِ باب ہو سکے۔

رحمان صاحب نے ارتداد کی سزائے قتل پر ایک یہ اعتراض بھی وارد کیا ہے کہ دنیا جو دار الامتحان ہے اور جس میں آزمائش کے لیے انسان کو بھیجا جاتا ہے اگر اسی میں جرمِ ارتداد کی سزا دے ڈالی جائے تو انسان کے ارادہ واختیار کی آزادی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ نیز فاضل مصنف کا کہنا ہے کہ رسول پاک نے تو مدینہ کے غیر مسلم قبائل سے یہ آزادی سلب نہیں کی تھی۔

دنیا میں انسان کے ابتلاء وآزمائش کی یہ صورت کبھی نہیں رہی کہ انسان کو لامحدود آزادی دے دی گئی ہو۔ لامحدود آزادی نہ ہزاروں سال پہلے کے انسان کو نصیب ہوئی اور نہ آج کے دورِ تہذیب وتمدن میں ہی اس کا کہیں وجود پایا جاتا ہے۔ اسلام نے انسان کو ارادہ واختیار کی جو آزادی عطا کی ہے وہ بھی ہر قدم اور زندگی کے ہر موڑ پر اسے میسر نہیں۔ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد اس کی آزادی کا معتد بہ حصہ اُس سے چھن جاتا ہے یا وہ اپنی آزاد مرضی سے اس سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ پس قبولِ اسلام کے بعد اگر کوئی چاہے کہ دورِ جاہلیت کی سی آزادی سے متمتع ہو تو یہ ناممکن ہے۔ وہ ایک بار، ردّ وقبولِ اسلام کے وقت اپنے ارادہ واختیار کو استعمال کر چکا اس کے بعد اس نوعیت کا اختیار اسے دوبارہ نہیں مل سکتا۔ البتہ احکامِ اسلام پر عمل پیرا ہونے یا نہ ہونے کا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔

مدینہ کے غیر مسلم قبائل کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آزادی عطا کی تھی وہ بے قید نہیں تھی بلکہ معاہدات ومواثیق نے اسے بہت کچھ محدود کر دیا تھا۔ لیکن جیسے جیسے انہوں نے عہد وپیمان کی خلاف ورزی کی انہیں اس کی سزا دی گئی۔ شوال ۲ ھ میں بنو قینقاع کو اور ربیع الاول ۴ ھ میں بنو نضیر کو مدینہ سے نکال باہر کیا گیا اور غزوہ احزاب کے موقع پر جب بنو قریظہ نے علانیہ کفار ومشرکین کا ساتھ دیا اور مسلم خواتین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس قلعہ میں بھتیں اس پر حملہ کر دیا تو جنگ کے خاتمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ مسلمان ابھی ہتھیار نہ کھولیں اور بنو قریظہ کی طرف بڑھیں چنانچہ ان کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینہ کے محاصرہ کے بعد ان کے مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ عورتیں اور بچے قید کر لیے گئے اور ان کا مال و اسباب، مالِ غنیمت قرار دے دیا گیا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آج کے دور میں ایک ہی نظریہ کے حامل لوگوں پر مشتمل کوئی ریاست وجود میں نہیں آسکتی تو سوال یہ ہے کہ اس سے کس کو انکار ہے؟ مگر کیا مختلف نظریات کے حامل گروہوں کو کارفرمائی کی وہی حیثیت دینا بھی ضروری ہے جو ایک مخصوص اور ہمہ گیر نظریۂ زندگی پر ایمان رکھنے والے برسرِ اقتدار گروہ کو حاصل ہو۔ ایسا کرنا کوئی ضروری بھی نہیں اور آج تک کسی نظریہ کے حامل با اختیار طبقہ نے عملاً ایسا کیا بھی نہیں۔ ماضی قریب میں یورپ کے کلیسائی نظام کو دیکھ لیں یا دورِ جدید میں اشتراکی نظریات کے علمبردار ممالک کو۔

رحمان صاحب نے ایک مغالطہ یہ دینے کی کوشش کی ہے کہ ارتداد کا معاملہ خدا اور بندے کے درمیان ہے اس لیے اس کی سزا کا اختیار بھی صرف خدا کو حاصل ہونا چاہیئے۔ دوسری حدود و تعزیرات جن کا نفاذ اسلامی حکومت کرتی ہے وہ اس لیے صحیح ہے کہ ان جرائم میں بندے بندوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ مثلاً قتل کے بدلے میں قتل کرنا۔ زندگی کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ زنا وغیرہ کی سزا عصمت و عفت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے اور ہوش و حواس بچانے کے لیے شراب نوشی کی سزا دینا درست ہے مگر ارتداد کی سزا سے رحمان صاحب کے خیال میں صرف خدا کے حق پر ڈاکہ پڑتا ہے۔ معاشرہ کا کچھ نہیں بگڑتا اس لیے خدا کے حق کا تحفظ کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے لیے بندے فکرمند ہوں۔ وہ جانے اور اس کا کام۔

اس میں سب سے پہلے تو رحمان صاحب نے یہ بات غلط طور پر فرض کر لی ہے کہ جرائم کی سزائیں انسانوں کو اس لیے دی جاتی ہیں کہ ایک کے ہاتھ سے دوسرے کا حق غصب ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس اصول کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اُس جوڑے کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی جو اپنی مرضی اور مفاہمت سے حرام کاری کا مرتکب ہوا ہو۔ اُس قاتل کو بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا جو اس امر کا ثبوت مہیا کر دے کہ مقتول نے خود اس سے قتل کی درخواست کی تھی۔ اُس بدگوئی اور فحش کلامی پر بھی کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی جسے فریقین بطیب خاطر برداشت کر رہے ہوں۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ ارتداد سے صرف خدا کا حق متاثر ہوتا ہے مسلم معاشرہ پر اس کے کوئی اثرات مترتب نہیں ہوتے اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں علاوہ ازیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی حکومت اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدا کی نمائندہ ہیئت ہوتی ہے۔ پس اگر خدا اپنے بااختیار نمائندوں سے اپنے حقوق کا تحفظ کرانا چاہے تو رحمان صاحب کو کیا اعتراض ہے؟ من غیر دینہ فاضربوا عنقہ۔

بحرالمحیط کے حوالہ سے بھی رحمان صاحب نے نہایت غلط طریقے سے اپنے موقف کی تائید چاہی ہے۔ کہتے ہیں کہ علامہ ابو حیان نے آیۃ لا اکراہ فی الدین کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مرتد کو دوبارہ اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس طرح دنیا کے دارالابتلاء (آزمائش کا گھر) ہونے کا تصور باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ علامہ موصوف نے آیۃ مندرجہ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے مختلف آثار و اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک قول بصیغہ تمریض یہ بیان کیا ہے:

وقیل لا یکرہ علی الاسلام من خرج الی غیرہ۔	اور کہا گیا کہ جو شخص دائرہ دین سے نکل کر کسی دوسرے مذہب کی طرف چلا گیا اسے دین اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے ابو مسلم اور القفال کا ایک اور قول نقل کیا ہے جو یہ ہے:

معناہ انہ ما بنی تعالیٰ امر الایمان علی الاجبار والقسر وانما بناہ علی التمکن والاختیار ویدل علی ھذا المعنی انہ لما بین دلائل التوحید بیاناً شافیاً قال بعد ذلک لم یبق عذر فی الکفر الا ان یقسر علی الایمان ویجبر علیہ وھذا مالا یجوز فی دار الدنیا التی ھی دار الابتلاء اذ فی القھر والاکراہ علی الدین بطلان معنی الابتلاء۔ (بحرالمحیط جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)	اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد جبر و اکراہ پر نہیں رکھی بلکہ تمکن و اختیار پر اس کی بنیاد رکھی ہے۔ اور اس معنی پر یہ آیت اس لیے دلالت کرتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل واضح طور پر بیان کر دیئے (معلوم رہے کہ آیت لا اکراہ فی الدین آیۃ الکرسی کے متصلاً بعد آتی ہے) تو اس کے بعد فرمایا کہ اب کسی کے لیے کفر پر قائم رہنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا (لہٰذا انہیں سیدھی طرح اسلام قبول کر لینا چاہیئے) یا پھر انہیں ایمان لانے پر مجبور کیا جائے۔ مگر یہ دار دنیا میں جائز نہیں جو کہ فی الاصل آزمائش کی جگہ ہے کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر قبولِ دین پر لوگوں کو مجبور کیا جائے تو اس
سے آزمائش کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے گا۔

اس مؤخرالذکر قول کا پہلے قول سے کوئی تعلق نہیں مگر رحمان صاحب نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے پہلے قول کو دوسرے کے ساتھ ملا کر اس تشریح کا تعلق ارتداد کے ساتھ جوڑ دیا جسے علمی خیانت کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

رہ گئے شیخ محمد شلتوت تو انہوں نے اگر کہا بھی ہو کہ عملاً مخالفت و بغاوت ہی کے نتیجہ میں کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے تو وہ ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتے۔ اسلامی عقائد و تعلیمات کا اثبات و تحقیق اس سے بہت بلند ہے کہ پوری امتِ مسلمہ کے اتفاق و توثیق کو نظر انداز کر کے دورِ حاضر کے چند دانشوروں کی بات مان لی جائے۔

ہم نے سطورِ بالا میں رحمان صاحب کے ان اعتراضات اور مغالطوں کا جائزہ لیا ہے جنہیں موصوف نے اپنی کتاب کے آخر میں قاری کے ذہن میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ارتداد کے مسئلہ پر وہ اگر فاضل مصنف کے موقف سے متفق نہ بھی ہو تو کم از کم شبہہ میں ہی پڑ جائے اور مستقل طور پر ایک خلش میں مبتلا رہے حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر رحمان صاحب کے نہ یہ اعتراضات نئے ہیں اور نہ وہ دلائل ہی جو انہوں نے سزائے ارتداد کا انکار کرتے ہوئے دیئے ہیں۔ ان کا کام صرف اتنا ہے کہ دین دشمن، اباحیت پسند اور مغربی تعلیمات سے متاثر لوگوں نے وقتاً فوقتاً ارتداد کی سزا کے متعلق جو کچھ کہا ہے اُسے منظم اور مرتب صورت میں بیان کر دیا ہے تاہم وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

انہوں نے آیاتِ قرآن، احادیثِ رسول، نظائرِ خلافتِ راشدہ اور اقوالِ فقہاء سے اپنے موقف کی تائید میں استدلال کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس مقالہ میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اکثر و بیشتر ان کا استدلال غلط ہے۔ اس مقالہ میں ان کی تقریباً ہر اُس بات کا تعاقب کیا گیا ہے جس میں قاری بظاہر کچھ وزن محسوس کر سکتا ہے یا جسے پڑھ کر شکوک و شبہات پیدا ہونے کا امکان ہے۔ البتہ نہایت کمزور اور بالواسطہ قسم کے مآخذ سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ آخر ارتداد جیسے خالص علمی موضوع کا ان حوالہ جات سے کیا تعلق ہے جو اخبارات کے گمنام اہلِ قلم کا نتیجۂ فکر ہوں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دینِ اسلام کے ایک متفق علیہ مسئلہ کا انکار موصوف کے سر پر کچھ اس طرح سوار رہا ہے کہ اس راہ میں کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقدس سے مقدس صحیفہ و فرمان بھی ان کے رہوارِ قلم کو روک نہیں سکا۔ انہوں نے متعدد مقامات پر بڑی ناروا جسارتیں کی ہیں جن کا اندازہ اہلِ علم فریقین کے دلائل دیکھ کر کرسکتے ہیں۔

ہماری رائے میں رحمان صاحب نے یہ کتاب لکھ کر ان لوگوں کو تقویت پہنچائی ہے جو مسلمان کہلا کر عملاً اسلام سے ارتداد و انحراف کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور اسلامی عقائد و تعلیمات سے انکار کے باوجود مسلم معاشرے سے اپنے آپ کو چپکائے رکھنے پر مصر ہیں۔

تصحیحات

۱۔ تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ ۴۱۲ سطر ۱۲ میں آیت کا حوالہ القصص، آیت ۴۴ غلط درج ہو گیا ہے۔ صحیح حوالہ طٰہٰ، آیت ۴۴ ہے۔

۲۔ ترجمان القرآن، اگست ۱۹۷۳ء، صفحہ ۲۵، سطر ۲ تا ۴ میں ایک تاریخی بیان غلط درج ہو گیا ہے۔ میں نے غلطی سے یہ لکھ دیا ہے کہ بنی عبدمناف میں سے "شیبہ فتح مکہ کے وقت تک کلید بردار کعبہ تھا .... حتیٰ کہ آج تک کلید برداری کعبہ اسی کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔" یہ پوری عبارت قلم زد کر دی جائے کیونکہ یہ تاریخی طور پر صحیح نہیں ہے۔ کلید برادری کعبہ کا منصب بنی عبدمناف کے پاس نہیں بلکہ بنی عبدالدار کے پاس تھا۔ اور فتح مکہ کے وقت حضور نے اسی خاندان میں یہ منصب برقرار رکھا اور آج تک اسی کے پاس کلید کعبہ ہے۔

© rasailojaraid.com